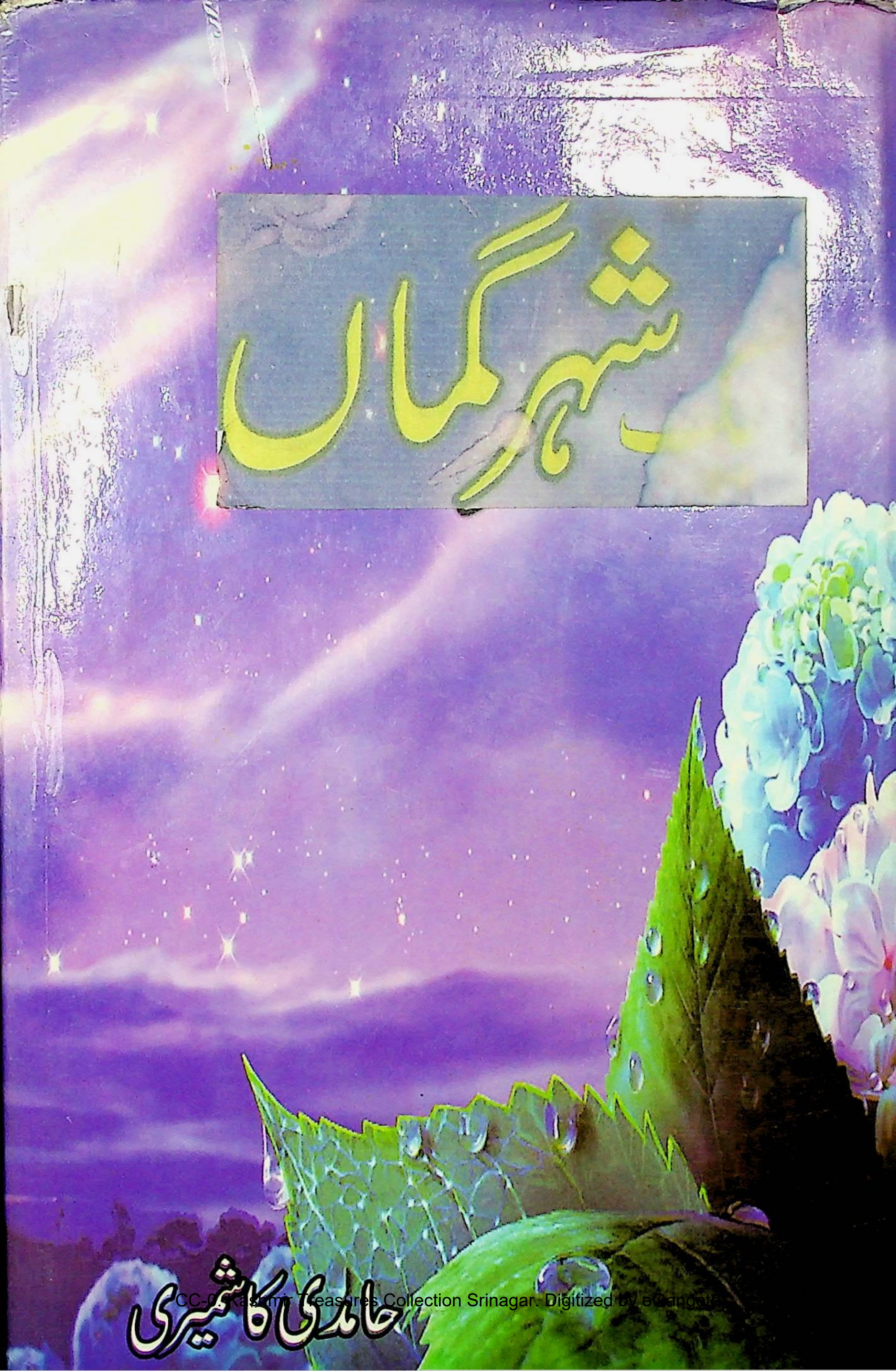
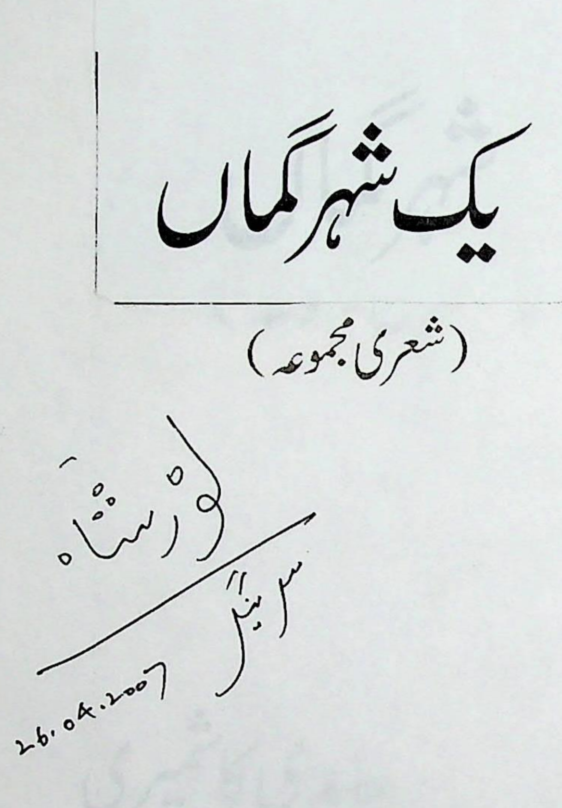
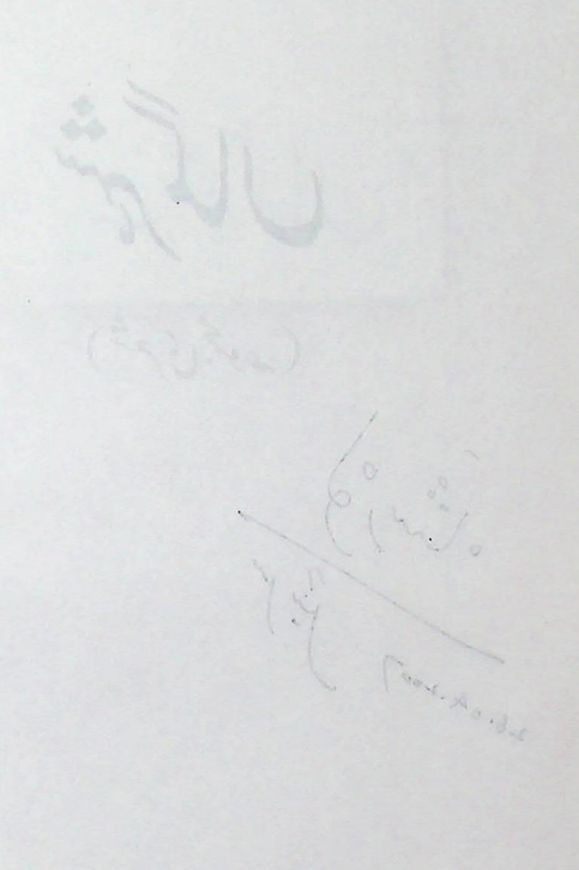
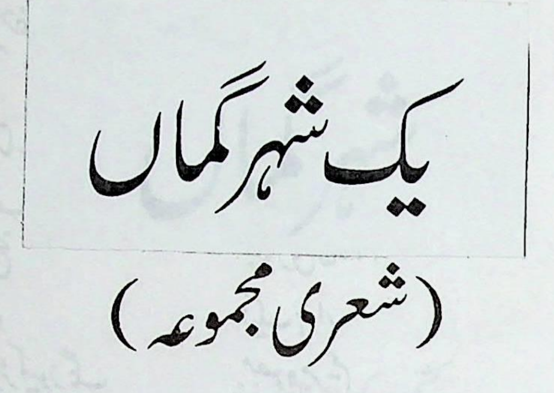

شہر گماں
حامدی کاشمیری

# یک شہر گماں

(شعری مجموعہ)








(شعری مجموعہ)

حامدی کاشمیری

کمپیوٹر سٹی، راج باغ، سرینگر، کشمیر

| | |
|---|---|
| نام کتاب | شہر گماں |
| مصنف | حامدی کاشمیری |
| تاریخ | جنوری ۲۰۰۵ |
| تعداد | ایک ہزار |
| کمپیوٹر کمپوزنگ | مصرہ مریم |
| سرورق | مسعود عالم |
| مطبع | جے کے آفسٹ پرنٹرز، دلی |
| قیمت | دوسو روپے |

کتاب ملنے کے پتے:

☆ کمپیوٹر سٹی، راج باغ، سرینگر

☆ کتاب گھر، لال چوک، سرینگر

☆ ماڈرن پبلشنگ ہاوس، ۹ گولا مارکٹ، دریا گنج، دہلی

☆ گلشن پبلیشرز، گاؤ کدل، سرینگر

## انتساب

کشمیر کے مایہ ناز فرزند

غنی کاشمیری

کے نام

جن کا شمار بین الاقوامی سطح پر

اساتذۂ فن میں ہوتا ہے

حامدی کاشمیری

# ترتیب

در عالم مثال مثالت نہ بودہ است
ہر چند کز دریچہ آئینہ دیدہ ایم

غنی کاشمیری

# عرضِ حال

اردو میں شہر گماں میرا ساتواں شعری مجموعہ ہے، اس میں پچھلے چند برسوں میں لکھی گئی غزلیں اور نظمیں شامل ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ اس مجموعے سے قبل میرے جو مجموعے چھپ گئے ہیں، ان کی طرف بعض معاصر نقادوں اور قارئین نے، دیر سے ہی سہی، توجہ کی ہے اور میری شاعری کے بارے میں چند تنقیدی مقالات بھی لکھے ہیں، حالانکہ اپنی شاعری کے بارے میں نقادوں کی متوقع پزیرائی یا عدم پزیرائی سے زیادہ میرا concern یہ رہا ہے کہ یہ ایک ایسے منفرد لسانی اظہار میں صورت یاب ہو، جو اس کے لئے ناگزیر ہو، یعنی جو تخلیقی طلب (urge) کی بیش از بیش دید و یافت کرے، تا کہ اس کے منفرد وجود کا اثبات ہو، اور یہ اپنے بل بوتے پر زندہ رہے۔

ایک ضمنی بات یہ ہے کہ اردو میں انیسویں صدی سے موجودہ صدی تک کئی نقادانِ فن تنقید نگاری کے ساتھ ساتھ شعر بھی کہتے رہے ہیں، چونکہ تنقید ان کی اولیں، اعلانیہ اور بنیادی ترجیح رہی ہے اور شاعری ذیلی اور جز وقتی، اس لئے یہ حاشیے میں جگہ پاتی رہی، اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ تخلیقیت

ان کی شعر گوئی کا بنیادی محرک نہ تھی، بلکہ وہ زیادہ تر علمی اور اکتسابی عمل پر مدار رکھتے تھے، جیسا کہ ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے، ان کے برعکس تنقید میری اولیں ترجیح نہیں بلکہ شاعری ہے۔ (یہ الگ بات ہے کہ ادبی دنیا میں میری تنقید ہی زیادہ موضوع بحث رہی ہے)۔

بہر حال پیش نظر مجموعہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو آپ کی نذر ہے:

بیاوریدگر اینجا بود سخن دانے
غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

غالب

حامدی کاشمیری

مسعود منزل،
کوہ سبز،
شالیمار، سری نگر

☆☆☆☆☆

جدھر دیکھیں ہجوم تشنگاں ہے
یہ صحرا ہے کہ دریائے رواں ہے

کوئی کہہ دے یہ بحری طائروں سے
پسِ کہہ وادیٔ آتش نشاں ہے

ستارے پھوٹتے ہیں ہر روئیں سے
درونِ سینہ کوئی آسماں ہے

گزر جائے شبِ دیجور کیونکر
اک اک پل سینے پر کوہ گراں ہے

رگوں میں زہر اترتا جا رہا ہے
مکانوں کا کہ لاشوں کا دھواں ہے

یہ شاید آئینوں میں گھر گئے ہیں
یہاں جو کوئی ہے حیرت بجاں ہے

☆☆☆☆☆

دل ہے یا ہفت عالمیں، کیا ہے
کیا ہے وہم و گماں، یقیں کیا ہے

جگمگانے لگے در و دیوار
دل میں انوار آفریں کیا ہے

اب سراپا سوال میں بھی ہوں
کیا ہے موجود کیا نہیں، کیا ہے

خواب وحشت کے سب مظاہر ہیں
آسماں کیا ہے یہ زمیں کیا ہے

سب ہیں بے تاب دیکھنے کے لئے
حرف در حرف جاگزیں کیا ہے

کوئی لوٹا نہ ساحلوں کی طرف
کس کو معلوم تہہ نشیں کیا ہے

☆☆☆☆☆

سر سے پا تک میں ہوں تصویر ہوا
کس لئے لہرائے شمشیر ہوا

آئی ہو گی وادی خوں رنگ سے
بدلی ہے یوں ہی نہ تقدیر ہوا

کرتے ہیں نخوت سے شیروں کا شکار
بھولتے ہیں خود ہیں نخچیر ہوا

کرتے ہو بند سلاسل کس لئے؟
میری شہ رگ میں ہے زنجیر ہوا

بحر و بر پر لرزہ کیوں طاری ہوا
ہے مری تحریر، تحریر ہوا

ہو گئے ہیں استخواں بھی منہدم
کام کچھ آئی نہ اکسیر ہوا

☆☆☆☆☆

شوق کو اعتبار بھی آئے
بحر میں رہگزار بھی آئے

ایک دو پل قیام کیا کرنا
کوئی دارالقرار بھی آئے

لوٹنے پر ہوئے نہ آمادہ
یاد قول و قرار بھی آئے

نوروظلمت میں فرق مشکل تھا
کتنے لیل و نہار بھی آئے

تشنہ کامی سی تشنہ کامی ہے
راہ میں آبشار بھی آئے

ہم تھے اور دھوپ کی تمازت تھی
راستے میں چنار بھی آئے

☆☆☆☆☆

ایسے پیغام ادھر بھی آ ئے ہیں
دل میں مہتاب اتر بھی آئے ہیں

کیوں نہ ہم اس سفر میں ساتھ رہیں
ساتھ شمس وقمر بھی آئے ہیں

غیب در غیب کتنے عالم ہیں
کتنے عالم نظر بھی آئے ہیں

کیسے ٹھہریں گے آشیانوں میں
ننھے منوں کے پر بھی آئے ہیں

پارہ پارہ ہے جسم و جاں تو کیا
ہاتھ لعل و گہر بھی آئے ہیں

دشت میں بے گھری کا ماتم کیا
ساتھ دیوارو در بھی آئے ہیں

☆☆☆☆☆

عام لوگوں سے جدا کوئی تو ہو
راز کا پردہ کشا کوئی تو ہو

کر رہا ہوں خوں سے حرف آرائیاں
دوستو، حرف آشنا کوئی تو ہو

موت ہی ہم رشتہ ہو گر وہ نہیں
زندگی کا آسرا کوئی تو ہو

ہر طرف دلدل ہی دلدل ریت کے
ہاں چلیں گے راستا کوئی تو ہو

ساحلوں کی آرزو کس کو نہیں
منتظر گھر میں مرا کوئی تو ہو

کس سے پوچھیں گلستاں کو کیا ہوا
کوئی طائر، گل، صبا کوئی تو ہو

☆☆☆☆☆

انتہائے انا نہ ہو جائے
بندہ آخر خدا نہ ہو جائے

شہر و قریہ سکوت گورستاں
کوئی محشر بپا نہ ہو جائے

سامنے ہے جو منزل آخر
پھر وہی راستا نہ ہو جائے

جسکو پہچاننے میں عمر لگی
پل میں ناآشنا نہ ہو جائے

اب کے ابر سیاہ بستی میں
برق زار فنا نہ ہو جائے

آگیا کوہ سبز خوابوں کا
یہ بھی کوہ ندا نہ ہو جائے

☆☆☆☆☆

زیست کا مدعا نہ ہو جائے
یہ خموشی نوا نہ ہو جائے

نیزہ بردار ہیں لب دریا
پھر کوئی کربلا نہ ہو جائے

آرہا ہے امنڈ کے جم غفیر
کوئی دروازہ وا نہ ہو جائے

ہست و ناہست کا تماشا ہے
کوئی راز آشنا نہ ہو جائے

اے ہوا، تیرے ساتھ جانے سے
باغ بے آسرا نہ ہو جائے

چاند تاروں میں شور نوحہ ہے
کوئی ہم سے جدا نہ ہو جائے

☆☆☆☆☆

تپتے صحرا میں شجر ہے شاید
میرا اعجاز نظر ہے شاید

پاؤں رکھتے ہی ہوا ہوتی ہے
خواب کی راہگزر ہے شاید

بند در کتنے ہی کھولے ہم نے
سامنے آخری در ہے شاید

اب دکھائی نہیں دیتا کچھ بھی
تابش کان گہر ہے شاید

جس کو ہم چھوڑ چکے تھے مہتاب
وہی آشوب نگر ہے شاید

شہر کو تیاگ کے کیوں آیا ہوں
کوہساروں کو خبر ہے شاید

☆☆☆☆☆

میری آہوں کا اثر ہے شاید
پرتو نور سحر ہے شاید

موجہ نکہت گل آئی ہے
قید میں وا کوئی در ہے شاید

کھلتے ہی لالہ وگل بجھتے ہیں
یہ تماشائے شرر ہے شاید

ہیں یہاں لوگ بہائم صورت
کوئی دنیائے دگر ہے شاید

دشت میں چلتا ہے آگے آگے
اک ستارہ، گل تر ہے شاید

اس قدر بھیڑ ہے کس موسم میں
شاخ در شاخ ثمر ہے شاید

☆☆☆☆☆

کچھ تو خود اختیار ہونا تھا
بر سرِ کارزار ہونا تھا

کو بہ کو قتل عام جاری تھا
آنگنوں کو مزار ہونا تھا

کتنی عجلت تھی جوئے کوہی کو
قلزم بے کنار ہونا تھا

مل گئے خاک وخون میں غنچہ وگل
ہو گیا دل فگار ہونا تھا

چاو سے پھول مسکراتے رہے
باغ کو برف زار ہونا تھا

روکتا کون خون ریزی کو
دشت کو لالہ کار ہونا تھا

☆☆☆☆☆

کوئی جو کرسکا نہ ہم کرتے
خون سے دشت کو ارم کرتے

دل میں اک آبشار گریہ تھا
کیوں بھلا اپنی پلکیں نم کرتے

کوئی طائر ہی چہکے کھڑکی پر
کچھ تو سینے کا بوجھ کم کرتے

لب کشائی کی بھی نہ دی فرصت
اس سے بڑھ کے وہ کیا کرم کرتے

خواب موہوم جاگنے پر بھی
کیسا موجود کیا عدم کرتے

بادِ خاراشگاف تھی ہر سو
جسم و جان کو کہاں بہم کرتے

☆☆☆☆☆

تھے وہ اہل کمال کیا کرتے
سدباب زوال کیا کرتے

ہنس رہے تھے دہان زخموں کے
کاوش اندمال کیا کرتے

بے نیازانہ تارے ہنستے رہے
پیڑ شب بھر سوال کیا کرتے

کانپتا ہے رواں رواں اپنا
ہم بھلا عرض حال کیا کرتے

چپکے سے موت کو قبول کیا
سب کا جینا محال کیا کرتے

خاک ساری ہی بادشاہت ہے
خواہش ملک و مال کیا کرتے

☆☆☆☆☆

منکشف ہو کے حجابوں میں رہے
گھر میں رہ کے بھی خرابوں میں رہے

تارے ہوں یا پیڑ، ششدر رہ گئے
رات بھر ہم کن عذابوں میں رہے

خود سے بھی ملنے نہ پائے عمر بھر
جاگ پڑنے پر بھی خوابوں میں رہے

یہ زمیں اک اجتماعی قبر ہے
آسماں پر ماہتابوں میں رہے

دل میں کالی جھاڑیاں اگتی رہیں
لمحہ بھر کھلتے گلابوں میں رہے

موت نے سب کا صفایا کر دیا
ہم مگر زندہ کتابوں میں رہے

☆☆☆☆☆

لائق اعتبار ہونا تھا
اس سمندر کے پار ہونا تھا

پتھروں پر حرف کاری کی
دہر میں یادگار ہونا تھا

استخواں راہ کے غبار ہوئے
یہی انجام کار ہونا تھا

اجنبی ہوگیا میں کیوں خود سے
ہاں غریب الدیار ہونا تھا

سامنے آنکھ بھی اٹھا نہ سکے
خود سے بھی شرمسار ہونا تھا

ہر بن مو سے خوں ٹپکتا رہا
روکش نو بہار ہونا تھا

☆☆☆☆☆

سب کو آشفتہ کار ہونا تھا
دشت کو بے کنار ہونا تھا

زندگی کا شعور کرنے کو
موت سے ہمکنار ہونا تھا

بے سبب تھا نہ خاک ہو جانا
راز کو آشکار ہونا تھا

اتنے سارے حجاب حائل تھے
دل کو بے اختیار ہونا تھا

دشت کی دھوپ سے پگھلتے رہے
ابر کو سایہ دار ہونا تھا

ہم کہاں دفن ہوتے وادی میں
راجع کوہسار ہونا تھا

☆☆☆☆☆

اغلب ہے رہ شناسِ قدم راستے ہوئے
کیوں ورنہ ایک پل میں عدم راستے ہوئے

منزل کے خواب آنکھوں میں لے کر نکل پڑے
یہ کیا ہوا کہ تیغ دو دم راستے ہوئے

آنکھوں سے کس کی بہتی رہی جوئبار خوں
کہتا ہے کون رشک ارم راستے ہوئے

میں پیچھے چھوڑ آیا تھا ایک ایک راستہ
گھر میں قدم رکھتے ہی بہم راستے ہوئے

منزل رسی کے خواب غبار سفر ہوئے
کب دیکھئے نوید کرم راستے ہوئے

شاید مجھے بلاوا دیار نبی کا ہے
دیکھو روانہ سوئے حرم راستے ہوئے

☆☆☆☆☆

غالب و مغلوب خوابوں میں رہے
خود سے بھی مجوب خوابوں میں رہے

دیکھئے تو کون آئے سامنے
کس سے ہم منسوب خوابوں میں رہے

جاگتے میں خود سے بھی بے گانے تھے
کس کے ہم مطلوب خوابوں میں رہے

روز و شب کا کاٹنا دشوار تھا
صورتِ مجذوب خوابوں میں رہے

سر اٹھا کے چلنے کا یارا نہ تھا
کس کے ہم معتوب خوابوں میں رہے

دشت بیداری، اکیلے کا سفر
جتنے تھے محبوب خوابوں میں رہے

☆☆☆☆☆

یہ کیسا اتصالِ جسم و جاں ہے
کہاں میں ہوں، نہ جانے تو کہاں ہے

نشیبوں سے اسے کیا دیکھتے ہو
یہ کوہ نار ہی جائے اماں ہے

شگفت گل نہ آواز عنادل
فقط اک آبشار خوں رواں ہے

عدم کی خامشی سی خامشی ہے
بھلا کس ہست کا تو نغمہ خواں ہے

پکاروگے انھیں کب تک ستارو
سیاہی اوڑھے شہرِ خفتگاں ہے

اک اک کر کے اٹھے سب خامشی سے
فقط اب میں ہوں اور آشوبِ جاں ہے

☆☆☆☆☆

آشنا نا آشنا کوئی تو ہو
سایوں میں صورت نما کوئی تو ہو

کوئی چہرہ اب نظر آتا نہیں
آئینوں میں دوسرا کوئی تو ہو

سنگ آسا چپ لگی ہے ہر طرف
شہر میں اہل نوا کوئی تو ہو

ساتھ چلتا جا رہا ہے دشت بھی
اس سفر کی انتہا کوئی تو ہو

کب سے ہم گم گشتگان دشت ہیں
راہ زن یا رہنما کوئی تو ہو

صورتوں پر اپنی غرہ ہے بہت
ان میں آئینہ نما کوئی تو ہو

☆☆☆☆☆

صاحب تاب و تواں کوئی تو ہو
مونس آزردگاں کوئی تو ہو

کس سے کہہ دیں ابتلا کی داستاں
وہ ہو یا ہو آسماں کوئی تو ہو

ہو رہے ہیں سب غبار رہگزر
اس مہم میں کامراں کوئی تو ہو

عازم شہر خموشاں ہو گئے
گوشۂ حفظ و اماں کوئی تو ہو

ہاں مکینوں سے کریں گے رابطہ
اس خرابے میں مکاں کوئی تو ہو

کیا کہوں اپنا تعارف کیجئے
خود مرا نام و نشاں کوئی تو ہو

☆☆☆☆☆

یوں تو وہ نامہربانی بھی نہ تھی
مجھ کو کوئی خوش گمانی بھی نہ تھی

وہ زمیں پر پاؤں رکھتی ہی نہ تھی
کوئی حورِ آسمانی بھی نہ تھی

رات کو جی بھر کے دیکھا ہے اسے
وہ حقیقت بھی، کہانی بھی نہ تھی

پوچھتے پھرتے رہے اس کا پتہ
نام بھی کوئی، نشانی بھی نہ تھی

پھر کہیں کوئی صدا باقی نہ تھی
میری آشفتہ بیانی بھی نہ تھی

بحر کی جانب قدم اٹھتے رہے
اپنے جی میں ہم نے ٹھانی بھی نہ تھی

☆☆☆☆☆

ہوا میں پاؤں دھرتا جا رہا ہے
وہ جیتا ہے کہ مرتا جا رہا ہے

فلک سے کتنے تارے گر رہے ہیں
اک اک لمحہ گزرتا جا رہا ہے

بدلتے ہیں بڑی تیزی سے موسم
وہ وعدوں سے مکرتا جا رہا ہے

کنارے پر مجھر ہو رہا ہوں
مرا میں پار اترتا جا رہا ہے

یہ کیا شعلہ تپاں ہے میرے دل میں
ترا چہرہ نکھرتا جا رہا ہے

ہے لرزاں رات سے بستی کی بستی
اک اک جنگل بپھرتا جا رہا ہے

☆☆☆☆☆

وہ شور نوحہ گھر گھر رہ گیا ہے
سر نوک سناں سر رہ گیا ہے

اک اک کرکے ہوئے معدوم قاتل
مگر خوں تشنہ خنجر رہ گیا ہے

ابھی آنکھوں پہ کائی جم نہ پائے
ابھی وہ بحر احمر رہ گیا ہے

نہیں ہے ذہن میں اب حرف کوئی
مگر وہ اسم ازبر رہ گیا ہے

اندھیروں میں بہے سب کوہ و وادی
بس اک حرف منور رہ گیا ہے

رہے زیرِ قدم کتنے کہستاں
یہ کوہِ سبز سر پر رہ گیا ہے

☆☆☆☆☆

کس طرف جاتے یہ معلوم نہ تھا
ہم کہاں رکتے یہ معلوم نہ تھا

ہم بھی اثبات انا کی خاطر
تیرا دم بھرتے یہ معلوم نہ تھا

بہتے ظلمات کی زد پر آئے
شمع ساں جلتے یہ معلوم نہ تھا

عافیت جان کی پانے کے لئے
کوہ پر رہتے یہ معلوم نہ تھا

ہم کو معدوم نہ ہونا تھا اگر
سنگ میں ڈھلتے یہ معلوم نہ تھا

جسم کا بارگراں ڈھوتے رہے
جیتے جی مرتے یہ معلوم نہ تھا

☆☆☆☆☆

راہ و منزل مجھے معلوم کہاں
لے کے جائے مرا مقسوم کہاں

منتظر بیٹھی ہے منزل کب سے
ہوگئے راہ میں معدوم کہاں

کوئی بھی لوٹ کے آتا ہی نہیں
جاتے ہیں روز یہ مظلوم کہاں

اب نہ بہلے گا ترے قرب سے بھی
لے کے جاؤں گا دل مغموم کہاں

پوچھتا پھرتا ہوں ہر پتھر سے
مری تقدیر ہے مرقوم کہاں

میں کہاں گوشۂ گمنامی میں
مرے اشعار کی ہے دھوم کہاں

☆☆☆☆☆

میری نوشتگی کا دلوں پر اثر تو ہو
خون رگ گلو سے ہر اک حرف تر تو ہو

رخت بدن کو کھول کے حال سفر کہوں
کوئی نظر تو آئے، کہیں کوئی گھر تو ہو

کرنے کو کر ہی لونگا ورائے فلک سفر
کچھ دور ہم رکابی شمس و قمر تو ہو

ہلکا کروں تو کیسے میں سینے کے بوجھ کو
اس دشت بے کنار میں کوئی شجر تو ہو

قائم رکھوں گا تیشہ زنی میں اخیر تک
ہاں بطن کوہ میں کوئی کان گہر تو ہو

اشعار کو میں منظر عامہ پہ لاونگا
بستی میں کوئی صاحب نقد و نظر تو ہو

☆☆☆☆☆

چپ ہی حرف و نوا نہ ہو جائے
بے گناہی سزا نہ ہو جائے

عمر بھر کو قیام کرنا ہے
ایک پل میں روانہ ہو جائے

جسم و جاں شعلہ جلتا ہوں
رات بے آسرا نہ ہو جائے

روشنی کو ثبات ہے اس سے
تیرگی سے جدا نہ ہو جائے

سی لیا میں نے اپنے ہونٹوں کو
کوئی راز آشنا نہ ہو جائے

جان بھی اس کے ساتھ جائے گی
آتے ہی گر روانہ ہو جائے

☆☆☆☆☆

اک اک پل یورش آفات ہوگی
بتا کیوں کر بسر یہ رات ہوگی

سحر دم ساتھ تم بھی چھوڑ دو گے
کہو پھر کیا مری اوقات ہوگی

ستارے ڈوبیں گے تاریکیوں میں
زمیں پر ایک میری ذات ہوگی

نہ جانے کب سے ہم ملتے رہے ہیں
کبھی کیا دل سے دل کی بات ہو گی

خبر کیا تھی کہ بحر و بر سے آگے
یہ وادی، وادیٔ عرفات ہوگی

ابھی برسا رہا ہے آگ سورج
ابھی خوںناب کی برسات ہوگی

☆☆☆☆☆

تھا جس پہ تکیہ صورت اسباب ہے وہی
کھولی جو آنکھ ریت کا گرداب ہے وہی

بیداری اور خواب میں کچھ امتیاز ہو
یہ کیا کہ آنکھ کھلنے پہ بھی خواب ہے وہی

بازار لعل و زر میں ہے کس چیز کی کمی
جس کی طلب سبھوں کو ہے نایاب ہے وہی

یہ سچ ہے ہاتھ پاؤں مرے منجمد ہوئے
رگ رگ میں بیقراریء سیماب ہے وہی

ساحل پہ بھیڑ لوگوں کی بڑھتی ہی جاتی ہے
جو ان کو پار اتارتا غرقاب ہے وہی

اک دوسرے کی سمت کوئی دیکھتا نہیں
راتیں وہی ہیں مجلس احباب ہے وہی

☆☆☆☆☆

رات کس کی آرزو کرتا رہا
کس سے شکوے روبرو کرتا رہا

ست رنگے انوار میں بہتے رہے
معجزہ اک سادہ رو کرتا رہا

وادی و کہسار خواب مرگ تھے
چاند کس سے گفتگو کرتا رہا

بند کمروں سے کوئی نکلا نہیں
چاند گریہ کو بہ کو کرتا رہا

یہ زمیں ہی مرکز اسرار تھی
میں فلک پر جستجو کرتا رہا

اپنے ہی چہروں سے خائف ہو گئے
کام اک آئینہ رو کرتا رہا

☆☆☆☆☆

فتح ہوگی کہ ہزیمت ہوگی
شب کو اک اور حکایت ہوگی

بحر آتش میں اترنا ہوگا
بچ نکلنے کی یہ صورت ہوگی

جسم تو جسم ہے وارے جاں بھی
چہرے پر کتنی خشونت ہوگی

وقت پل پل میں گزر ہی جائے
ہاں قیامت پہ قیامت ہوگی

کتنی ہی حیرتوں سے گزرو گے
خود کو جب دیکھ کے حیرت ہوگی

دن کو چھپ جانا، نکلنا شب کو
مہر و مہ سے میری نسبت ہوگی

☆☆☆☆☆

اور کیا باد خزاں لے جائے
ہے فقط نام و نشاں لے جائے

دست و بازو مرے لے سکتے ہیں
کون یہ تاب و تواں لے جائے

میرے ہونے کی نفی کرنے کو
پہلے وہ میری زباں لے جائے

کوئی رستہ ہے نہ منزل کوئی
یہ ہوا، مجھ کو کہاں لے جائے

ہاتھ اس کے میں نے کب روکے ہیں
لینا چاہے مری جاں لے جائے

وادیاں بھی ہیں، کہستاں بھی ہیں
جانے کیا سیل رواں لے جائے

☆☆☆☆☆

وہ رخ سے پردہ سرکاتا نہیں ہے
سلگتی آگ بھڑکاتا نہیں ہے

جدا ہونے سے پہلے سوچ لینا
کوئی بار دگر آتا نہیں ہے

یہ دھرتی کب سے ہے دامن پسارے
فلک بوندوں کو گُہراتا نہیں ہے

پہاڑوں نے بھی کی آتش فشانی
کوئی یہ برف پگھلاتا نہیں ہے

پیامی بن کے آتے تھے پرندے
کوئی واں کی خبر لاتا نہیں ہے

پڑے ہیں راستے سنسان کب سے
کوئی آتا نہیں، جاتا نہیں ہے

☆☆☆☆☆

فضا خوں تاب ہوتی جارہی ہے
حقیقت خواب ہوتی جارہی ہے

ہیں دیر آمادہ طائر جاگنے میں
کلی بے تاب ہوتی جارہی ہے

خدارا روک دو یہ اشک باری
زمیں غرقاب ہوتی جارہی ہے

کوئی آساں نہیں ہے بچ نکلنا
ہوا گرداب ہوتی جارہی ہے

جو چنگاری دبی تھی دل میں کب سے
وہ شعلہ تاب ہوتی جارہی ہے

نہاتے ہیں لہو میں حرف و پیکر
غزل شاداب ہوتی جارہی ہے

☆☆☆☆☆

چلتے چلتے قیام کر لیں گے
تارے آخر کلام کر لیں گے

کان دھرنا نہ تیرہ باطن ہیں
صبح صادق کو شام کر لیں گے

دیکھئے جس کو گریہ صورت ہے
وہ کسے شاد کام کر لیں گے

اہتمام حیات کرتے ہیں
موت کا انصرام کر لیں گے

قعر ظلمات میں اتر جائیں
نور عرفاں کو عام کر لیں گے

کیا رہا ہے کچھ اور کرنے کو
کام اپنا تمام کر لیں گے

☆☆☆☆☆

تیغ کو بے نیام کر لیں گے
پھر وہ حرف و کلام کر لیں گے

ہیں یہ سارے طیور نورانی
کس کو پابند دام کر لیں گے

بس وہی ہوگی منزل آخر
ہم جہاں بھی قیام کر لیں گے

اپنا کوئی ٹھکانہ ہو کہ نہ ہو
قبر کا التزام کر لیں گے

جینے کا حق نہ چھین لو ان سے
سب کا جینا حرام کر لیں گے

اترے گا دل میں جب یہ سناٹا
ذکر خیرالانام کر لیں گے

☆☆☆☆☆

راہ جوئندہ قافلے ہیں بہت
کوہ در کوہ سلسلے ہیں بہت

کس کے سوز نفس سے آگ لگی
بیچ میں اب بھی فاصلے ہیں بہت

کوئی بھی لب کشا نہیں ہوتا
درد مند اب بھی سامنے ہیں بہت

کون منزل کی سمت جاتا ہے
دیکھنے کو تو راستے ہیں بہت

تجھ کو بھی آنے میں تامل ہے
میرے دل میں بھی وسوسے ہیں بہت

کوہ کی سمت ہیں رواں اب بھی
رہگزاروں میں مر مٹے ہیں بہت

☆☆☆☆☆

منتشر خواب سحر کرنا نہ تھا
ظلمتِ شب سے حذر کرنا نہ تھا

صبح سے پہلے ہی ہونا تھا جدا
پھر ہمارے دل میں گھر کرنا نہ تھا

اشکوں کے دریا بہیں گے دیکھنا
نرگسی آنکھوں کو تر کرنا نہ تھا

کب سے تھی منہ کھولے کھائی منتظر
ساتویں چوٹی کو سر کرنا نہ تھا

اب تو آگے وادی ظلمات ہے
مہر و مہ کو ہمسفر کرنا نہ تھا

عافیت کوشی اگر منظور تھی
بزم میں عرض ہنر کرنا نہ تھا

☆☆☆☆☆

دل میں کوئی رنجش موسم نہ تھی
وہ بھی اپنے قول کی محکم نہ تھی

ہلکی سی مسکان کا یارا نہ تھا
پہلے بھی وہ یرغمالِ غم نہ تھی

لائے تھے ایک اور نعش بے کفن
شکر کی جا تھی صف ماتم نہ تھی

ایک پل میں آگ گلشن کو لگی
عارض لالہ پہ یہ شبنم نہ تھی

چاندنی کھڑکی پہ شعلہ زن ہوئی
رات اس کی سرگرانی کم نہ تھی

ہو گئے مسمار گھر تھے یا شجر
اتنی برفانی ہوا برہم نہ تھی

☆☆☆☆☆

جو حقیقت ہے گماں ہونے لگی
یہ زمیں بھی آسماں ہونے لگی

بات کیا ہے یہ بیابانی ہوا
مونس آشفتگاں ہونے لگی

سینے سے کوہ سیہ ہٹ جائے گا
داستانِ شب بیاں ہونے لگی

راحت قلب و نظر تھی بے گماں
جانے کیوں تعذیب جاں ہونے لگی

مسکرائے تھے شگوفے دھوپ میں
ژالہ باری ناگہاں ہونے لگی

چھوگئی شاید شعاع اولیں
جوئے یخ بستہ رواں ہونے لگی

☆☆☆☆☆

جگانے یا سلانے آ گئے تھے
جزائر سے پرندے آ گئے تھے

کہاں جا کر اندھیرے منہ چھپاتے
دریچوں پر ستارے آ گئے تھے

ہوا پر حرف کاری کر رہا تھا
سمندر کے بلاوے آ گئے تھے

اماں کی پھر کوئی منزل نہیں تھی
یہاں تک آتے آتے آ گئے تھے

سر کوہِ مصفا، چپ کو اوڑھے
گجر دم کس سے ملنے آ گئے تھے

میں کیوں کر شہر کی جانب پلٹتا
صنوبر مجھ کو لینے آ گئے تھے

☆☆☆☆☆

وہ گم گشتہ دفینے آ گئے ہیں
نظر مرمر کے زینے آ گئے ہیں

کسی پر کھل نہ پایا راز اب تک
وہ مر جانے کہ جینے آ گئے ہیں

امنڈ آئے ہیں ساحل پر قبیلے
نظر کچھ کچھ سفینے آ گئے ہیں

ابھی غواصی کا سوچا ہی کب تھا
کناروں پر خزینے آ گئے ہیں

ابھی کھولی نہ تھی نرگس نے آنکھیں
وہ برفیلے مہینے آ گئے ہیں

ترس جائیں گے اک اک بوند کو بھی
وہ دریاؤں کو پینے آ گئے ہیں

☆☆☆☆☆

یہ بیاباں ہی ٹھکانہ ہو نہ جائے
میرے جینے کا بہانہ ہو نہ جائے

ہو گئی آخر وہ میرا جسم و جاں
یہ حقیقت بھی فسانہ ہو نہ جائے

گوشے میں یہ دن گزر ہی جائیں گے
مہرباں مجھ پر زمانہ ہو نہ جائے

مونس جاں حزیں پھر کون ہے
چاند رکتے ہی روانہ ہو نہ جائے

کیا رہے گی آبرو پھر دشت کی
بادلوں کا شامیانہ ہو نہ جائے

کون ہے دشتِ طلب کی آبرو
ریگ آسودہ دوانہ ہو نہ جائے

☆☆☆☆☆

طالب لطف و کرم ہونا ہی تھا
وارد بابِ حرم ہونا ہی تھا

ہو گئے بے گانۂ عقل و شعور
کچھ تو اثبات عدم ہونا ہی تھا

ہو گئے محروم بینائی تو کیا
نور کو ظلمت میں ضم ہونا ہی تھا

بلبلیں کتنا ہی گاتیں، جھومتیں
دیدۂ نرگس کو نم ہونا ہی تھا

تھا خلائے بے نہایت کا سفر
مہر و مہ کے ہمقدم ہونا ہی تھا

وہ مٹاتے تھے نشان کشتگاں
خون دل سے یہ رقم ہونا ہی تھا

☆☆☆☆☆

ماہ و انجم رات کے محرم ہوئے
صبح دم تک مشورے باہم ہوئے

جسم سے پنجر نکل کے ہنس دئے
رات ایسے واقعے پیہم ہوئے

کب سے تھی آویزش پست و بلند
برف کے گالے بہت برہم ہوئے

پلکوں پر آنسو تھے، انگارے بنے
پتیوں پر صبح دم شبنم ہوئے

دل ہی دل میں چھو گیا تیرا خیال
پھول سارے دیدۂ پر نم ہوئے

ہاں تماشا روز و شب دیکھا کئے
اپنی نظروں میں تماشا ہم ہوئے

☆☆☆☆☆

چرخ بحر آتشیں ہونے کو ہے
رات بھر کیا کیا نہیں ہونے کو ہے

مجھ سے ملنے کوہ پر آجائیں گے
یہ گماں عین الیقیں ہونے کو ہے

رات بھر اڑتی رہی تاروں کی نیند
جانے کیا اہل زمیں ہونے کو ہے

ڈگمگا جائیں نہ اب میرے قدم
زیر کوہ ہفتمیں ہونے کو ہے

حرف آرائی کا یہ اک اعجاز ہے
سایہ صورت آفریں ہونے کو ہے

ایک اک تارہ ہوا ہے خندہ لب
ایک اک پتی حزیں ہونے کو ہے

☆☆☆☆☆

ستارے رات کہتے تھے قمر سے
ہمیں ہیں جو تری قربت کو ترسے

کبھی پھر لوٹ کے آتے نہیں ہیں
گجردم وہ نکل جاتے ہیں گھر سے

دکھائی دے بھلا کیا آئینوں میں
چٹانیں کہتی تھیں آئینہ گر سے

میرے حلقوم تک آنے لگا ہے
یہ پانی اب گزر جائے گا سر سے

دھواں اٹھتا ہے تپتی وادیوں سے
پہاڑوں پر تھے بادل خوب برسے

کوئی جائے توقف ہے نہ منزل
سفر ہے رہگزر تک رہگزر سے

☆☆☆☆☆

یقینوں میں گمانوں میں نہیں ہے
کوئی آئینہ خانوں میں نہیں ہے

ہوا ہر در پہ دستک دے رہی ہے
تو کیا کوئی مکانوں میں نہیں ہے

اگر ہے گم ہے اپنی حیرتوں میں
زمینوں آسمانوں میں نہیں ہے

ہے واجب اکتشاف راز کرنا
کوئی بھی رازدانوں میں نہیں ہے

جمی ہیں سینوں میں برفیلی راتیں
کوئی شعلہ فسانوں میں نہیں ہے

زمانہ ملتفت کیوں ہو رہا ہے
شمار اپنا یگانوں میں نہیں ہے

☆☆☆☆☆

ستاروں میں گلابوں میں نہیں ہے
کہاں ہے گر حجابوں میں نہیں ہے

مہ و اختر بھی پیچ و تاب میں ہیں
مری جاں ہی عذابوں میں نہیں ہے

ہیں کیوں سر گوشیاں پر چھائیوں کی
اگر کوئی خرابوں میں نہیں ہے

تو کیا ہے فصل نور و تیرگی میں
گناہوں اور ثوابوں میں نہیں ہے

طلوع مہر کا امکاں نہیں ہے
تردد ماہتابوں میں نہیں ہے

چلے جاتے ہیں کیوں افتاں و خیزاں
اگر دریا سرابوں میں نہیں ہے

☆☆☆☆☆

وہ سناٹوں کو حرفانے نہ آئے
خود اپنے آپ کو پانے نہ آئے

تماشا کرتے ہیں خوں پاشیوں کا
زباں پر حرف حق لانے نہ آئے

دم آخر نہ جانے بات کیا ہے
کوئی تازہ ستم ڈھانے نہ آئے

گھر ان کے ہیں تماشا گاہ عالم
بیابانوں میں دیوانے نہ آئے

ہوا کہتی ہے، سچ ہی کہتی ہوگی
یہ بادل آگ برسانے نہ آئے

سر ساحل فقط ویرانیاں تھیں
وہ اپنے ہوں کہ بیگانے نہ آئے

☆☆☆☆☆

سرخ انگاروں پہ یا سبزہ تر پر رکھا
جاگ کے پاؤں یہ کس راہگزر پر رکھا

اک جہنم مرے سینے میں تپاں تھا کب سے
کس نے یہ دست شفاعت مرے سر پر رکھا

خود ہوئے عالم حیرت کے تماشے میں شریک
جو بھی الزام ہے اربابِ ہنر پر رکھا

شام تک سب کے بدن چور ہوئے زخموں سے
جس کو ڈھونڈا کئے میں نے اسے گھر پر رکھا

ماہ وانجم کو بھی، لوگو ں کو بھی نیند آے گی
میں نے وحشت زدہ سر کو ترے در پر رکھا

خوش گمانی تھی زمستاں کو ثمر یابی کی
برف کا بار گراں شاخ شجر پر رکھا

☆☆☆☆☆

زندہ رہنا ہے وہاں خوف و خطر میں رہنا
کوہ ہو، وادی ہو بس اپنی نظر میں رہنا

دھوپ کی کالی تمازت سے پگھل جائیں گے
چپکے سے آکے مرے دیدۂ تر میں رہنا

وہ کہاں سے سر بازار امنڈ آئے ہیں
عافیت جان کی مطلوب ہے گھر میں رہنا

دو قدم چلتے ہیں، ہر راستہ گم ہوتا ہے
عمر بھر کے لئے آشوب نگر میں رہنا

سیل ظلمات نے وادی پہ غضب ڈھایا ہے
سینۂ کوہ پر آغوش قمر میں رہنا

ایک پل کے لئے رکتے نہیں اجرام فلک
طالب حفظ ہو خوابوں کے سفر میں رہنا

☆☆☆☆☆

لب کشائی کبھی اک لمحہ ہی انجم کرتے
ہم سے کائی زدہ پتھر بھی تکلم کرتے

اجنبی طائروں کی ڈار نہ واپس جاتی
ایک پل کے لئے ہی پھول تبسم کرتے

خود شناسی بھی فقط وہم و گماں ہو جاتی
جسم کے باب میں ادراکِ توہم کرتے

ادھ موا کرکے اُنہیں چھوڑ دیا کرتے ہیں
وہ کہاں ہوتے گر اتمام تظلم کرتے

دھوپ کے پنجوں سے ممکن ہے، وہ بچ بھی جاتے
رات کو غول بیابانی انہیں گم کرتے

آخری سانس ہی اب سر کو اٹھا کے لیتے
خاک افتادوں پہ اتنا تو ترحم کرتے

☆☆☆☆☆

کب کہا ہم نے کہ جب تک رہے، ناخوب رہے
تم کو دیکھا بھی نہ تھا، تم سے ہی منسوب رہے

کتنے انبوہ درِ حجرۂ گُہہ پر آئے
منکشف کرتے تو کیا، خود سے بھی محجوب رہے

نور مہتاب بھی اک آگ لگا دیتا ہے
ہم فقط کالی ہوا ہی کے نہ معتوب رہے

اس بلندی پہ کوئی دیکھنے آیا ہی نہیں
کن زمانوں سے اسی حال میں مصلوب رہے

غیر تو غیر ہیں اپنوں نے بھی منہ پھیر لیا
اپنے ہی خاطرِ آشفتہ کے مرغوب رہے

کس سے ہم ملتے، کسی سمت نظر کیا کرتے
اپنے ہی آپ کے طالب رہے مطلوب رہے

☆☆☆☆☆

جیتے جی ہست کو عدم کرتے
جو نہ کر پائے کوئی، ہم کرتے

زندہ در گور کر گئے سب کو
اس سے بڑھ کے وہ کیا کرم کرتے

سب کے دست بریدہ سامنے تھے
اپنا احوال کیا رقم کرتے

چاندنی بچھ گئی ہے دھرتی پر
ہم بھی اب دوریوں کو کم کرتے

کب سے پروردۂ جہنم ہیں
کیوں بھلا خواہش ارم کرتے

ہاتھ اٹھاتے اگر ستم سے وہ
خود پہ کیا کیا نہ ہم ستم کرتے

☆☆☆☆☆

خود ہی ہم نذر چشم و لب کرتے
اور کیا تھا جو وہ طلب کرتے

مہلتِ یک نفس اجل دیتی
جو نہ کر پائے تھے وہ اب کرتے

شہرہ بیٹھے بٹھائے ہو جاتا
مشتہر شجرۂ نسب کرتے

لب ہلانے پہ لب ہی کاٹ دیئے
بات کرتے تو کیا غضب کرتے

آفتاب ان کی دست رس میں نہ تھا
روزِ روشن کو تیرہ شب کرتے

میں ہی تھا وہ فقیر کوہ نشیں
میری جانب رجوع کب کرتے

☆☆☆☆☆

شعورِ راہ و منزل بھی نہیں ہے
جنونِ شوق کامل بھی نہیں ہے

ہوا و موج کی یورش کا کیا ڈر
کہ اس قلزم کا ساحل بھی نہیں ہے

مجھے منزل رسی سے روکتا ہے
مرے رستے میں حائل بھی نہیں ہے

سرِ صحرا لہو کی لالہ کاری
بہت مشکل ہے، مشکل بھی نہیں ہے

کفن اوڑھے ہوئے نکلے ہیں گھر سے
کوئی مدِ مقابل بھی نہیں ہے

شکستوں پر مری ہنستا رہا ہے
صفِ اعدا میں شامل بھی نہیں ہے

☆☆☆☆☆

شور ہے وادیوں، کہساروں میں
چپ سی چپ ہے میرے غمخواروں میں

آخرش برسے تھے رم جھم بادل
خاک اڑنے لگی گلزاروں میں

جوق در جوق چلے آئے ہیں
کیا ہے اب سوختہ بازاروں میں

حال و احوال مبرا کیا پوچھتے ہو
زندگی کٹتی ہے دلداروں میں

دن کو ہے واسطہ چٹانوں سے
شب گزر جاتی ہے مہ پاروں میں

جانے کب ہو تری رحمت کا نزول
میں بھی شامل ہوں خطاکاروں میں

☆☆☆☆☆

عمر گزری ہے گلستانوں میں
خاک ہی خاک ہے دامانوں میں

اب نہیں ان کا کوئی نام و نشاں
شام کو اترے تھے تہہ خانوں میں

مجھ کو کیا غرہ ہو دانائی کا
زندگی کاٹی ہے نادانوں میں

سیل آتش میں بدل جائے گا
یہ جو چشمہ ہے کہستانوں میں

نوحہ بوم سنائی دے گا
کیا ہے اب سوختہ ایوانوں میں

ساحل نور ہی بلاتا رہا
گھرِ گئے رات کے طوفانوں میں

☆☆☆☆☆

خود جیئں گے نہ دیں ہمیں جینے
ارض تن سے ہی اگتے ہیں کینے

کوئی صورت نہ کوئی نقش ونوا
تکتے ہیں آئینوں کو آئینے

لُوٹ لیتے ہیں ہر خوشی دل کی
لذتِ درد کوئی کیا چھینے

پی گئے سارا پانی جھیلوں کا
نکلے ہیں خون خوردگاں پینے

آسماں اب بھی دست رس میں نہیں
کر لئے طے ستاروں کے زینے

بات کرنے پہ پھول جھڑتے ہیں
نارِ دوزخ سے جلتے ہیں سینے

☆☆☆☆☆

خون میں کم برق تابانی نہ تھی
اتنی بھی وہ رات برفانی نہ تھی

مٹ گئی ہیں بستیوں کی بستیاں
سر پھری باد کہستانی نہ تھی

خون مردم کام کچھ تو کر گیا
اس قدر لفظوں میں رخشانی نہ تھی

لوگوں میں پہچاننا مشکل نہ تھا
آنکھ سے اوجھل تھی، بیگانی نہ تھی

کودتے ہیں ظلمت سیال میں
اس قدر تاروں میں من مانی نہ تھی

شدت کرب و بلا سینے میں تھی
ہاں لبوں پر مرثیہ خوانی نہ تھی

☆☆☆☆☆

کوہ پر کالی گھٹا چھائی نہ تھی
پاس اتنی، موت کی کھائی نہ تھی

کوہ آسا لہریں آکے تھم گیئں
دل سے ہونٹوں پر دعا آئی نہ تھی

ہاتھ میں نے روکے، بے ہتھیار تھے
کیا یہ سچ مچ میری پسپائی نہ تھی

میرے دست شوق کا اعجاز تھا
برق بن کر شب کو لہرائی نہ تھی

کس سے ملنے ساری بستی آگئی
مجھ سے کوئی بھی شناسائی نہ تھی

سب کے سب لب بستہ تھے، دلگیر تھے
کیا تھی یہ، گر بزم آرائی نہ تھی

☆☆☆☆☆

ہے یہ وحشت زدہ جاں، لے جائے
اور کیا، اہل جہاں لے جائے

یہ بھی ظلمات کا صحرا نکلا
اب کہاں شور سگاں لے جائے

کتنا ہی نفع سے دامن بھر لے
دل میں احساسِ زیاں لے جائے

چور زخموں سے ہیں افتادہ زمیں
کون یہ گنجِ گراں لے جائے

شاخ در شاخ ہیں طائر نالاں
نو بہاروں کو کہاں لے جائے

کیا مرے پاس ہے جو پیش کروں
ہے مرا طرز بیاں لے جائے

☆☆☆☆☆

ہم اہتمامِ ورودِ بہار کیا کرتے
ترے کہے پہ ہوا اعتبار کیا کرتے

پہاڑ کھائیوں میں اترتے جاتے ہیں
قدم نہ روکتے اشہب سوار کیا کرتے

چمن کو چھوڑ کے نکلے یہی مناسب تھا
گلوں کے سامنے سینہ فگار کیا کرتے

یہ اور بات ہے چہرے یقیں سے روشن ہیں
بپھرتے کالے سمندر کو پار کیا کرتے

وہ شب پرست تھے، تاریکیوں میں ڈوب گئے
طلوعِ مہر کا وہ انتظار کیا کرتے

پلک جھپکنے میں خاکستر ہوئے گھروں کے گھر
نکل نہ آتے سرِ رہگزار کیا کرتے

☆☆☆☆☆

قدم اٹھائیں کوئی راستا دکھائی دے
سیاہیوں میں وہ حرف ضیا دکھائی دے

کبھی یہ دشت قضا بن کے پاس آتا ہے
کبھی روانی آب بقا دکھائی دے

بپھرتی موجِ بلا کے حوالے کر کے مجھے
مرے لئے وہ سراپا دعا دکھائی دے

میں اپنے آپ کو مرد دگر سمجھتا رہا
جو غیر غیر ہے، وہ آشنا دکھائی دے

یہ کیسا شوقِ سفر ہے یہ کیسا دشتِ رواں
قدم اٹھایا نہیں انتہا دکھائی دے

ہے روز و شب کا تماشا نگاہ کا نیرنگ
میں دیکھ لیتا ہوں کیا، اور کیا دکھائی دے

☆☆☆☆☆

سجا ہے گھر کا گھر آئے نہ آئے
وہاں سے لوٹ کر آئے نہ آئے

چٹانیں خامشی سے منتظر ہیں
کوئی آئینہ گر آئے نہ آئے

رہیں گی یونہی فرشِ راہ آنکھیں
کوئی بار دگر آئے نہ آئے

یہی زنداں مقدر ہو گیا ہے
رہائی کی خبر آئے نہ آئے

یہ صحرا پھیلتا جائے گا یوں ہی
کوئی شوریدہ سر آئے نہ آئے

کھلی یوں ہی رہے گی چشمِ نرگس
کوئی اہل نظر آئے نہ آئے

☆☆☆☆☆

کٹی شب، برف باری رہ گئی ہے
کہاں اسکی سواری رہ گئی ہے

نہ رہ پائی کلی کی مسکراہٹ
گلوں کی اشک باری رہ گئی ہے

ابھی تک کھل نہ پائی چشمِ نرگس
کہاں بادِ بہاری رہ گئی ہے

جو مشکل کام تھے سب کر لئے ہیں
مگر انجم شماری رہ گئی ہے

نفس کی آمد و شد رک نہ جائے
لہو کی حرف کاری رہ گئی ہے

کئے مسمار اصنامِ خیالی
مگر طاعت گزاری رہ گئی ہے

☆☆☆☆☆

کہاں پچھلے زمانے رہ گئے ہیں
حقیقت کے فسانے رہ گئے ہیں

پرندہ کوئی بھی باقی نہیں ہے
بس اُجڑے آشیانے رہ گئے ہیں

ہوا سب کچھ بہا کے لے گئی ہے
مگر تعذیب خانے رہ گئے ہیں

نہ چھوٹا وادیٔ حیرت کا دامن
کہستاں میں خزانے رہ گئے ہیں

سراغ دوستاں ملتا نہیں ہے
کہاں ان کے ٹھکانے رہ گئے ہیں

کوئی بھی موت کو جیتا نہیں ہے
بہانے ہی بہانے رہ گئے ہیں

☆☆☆☆☆

ہے کارِ دل، زیاں کیا سود کیا ہے
یہ دیکھیں گے کہ لاموجود کیا ہے

سنو یہ رائیگانی کا سفر ہے
جرس کیا، منزل مقصود کیا ہے

ہجوم غمگساراں ہے، نہیں ہے
الٰہی ہست کیا ہے بود کیا ہے

اگر جلتی نہیں ہے وادی گل
مرے اطراف کوہِ دود کیا ہے

نگل لے گی زمیں ایک ایک کر کے
یہ ہونا ہے تو دیر و زود کیا ہے

مرے بس میں کہاں آغاز و انجام
مرا ہونا مرے معبود کیا ہے

☆☆☆☆☆

اعتبار چشم و لب کرنا تو تھا
خود ہی پر ایسا غضب کرنا تو تھا

ہو گئی ہے رات برافروختہ
شکوۂ شام تعب کرنا تو تھا

نذر کرتے خود ہی یہ جان حزیں
موت کو شاید یہ سب کرنا تو تھا

حرف کندہ جسم و جاں پر کر گئے
کوئی بھی کار عجب کرنا تو تھا

ماہ و انجم کاشف اسرار تھے
ننگے سورج کو طلب کرنا تو تھا

فطرتاً ہے موت سے کس کو مفر
زیست کا وضعِ سبب کرنا تو تھا

☆☆☆☆☆

دعوی حق کار گر کرنا نہ تھا
کر تو سکتے تھے مگر کرنا نہ تھا

اب فقط پاتال ہی پاتال ہے
آخری چوٹی کو سر کرنا نہ تھا

صبح سے پہلے ہی جانا تھا اگر
پھر ہمارے دل میں گھر کرنا نہ تھا

اب کوئی تارہ قریب آتا نہیں
خواہش نورِ سحر کرنا نہ تھا

دیکھنا اب آگ اگلے گی زمیں
آنسوؤں سے اسکو تر کرنا نہ تھا

جسم و جاں کو لے گئی موجِ ہوا
منہدم دیوار و در کرنا نہ تھا

☆☆☆☆☆

وہ ہوا و موج کی سازش نہ تھی
پار اترنے کی کسے خواہش نہ تھی

قید سے پھر چھوٹ کر وہ آ گیا
کوئی چرچا، کوئی آرائش نہ تھی

ڈوبتے تارے خفا کیوں ہو گئے
ایک استفسار تھا، پرسش نہ تھی

شاخ شاخِ یخ بنا تھا ہر شجر
دھوپ میں، یہ تو نہیں، تابش نہ تھی

اپنی قسمت لفظ خود لکھتے گئے
میری جانب سے کوئی کاوش نہ تھی

سینے میں دھرتی کے گہرے گھاو ہیں
آسماں سے نیزوں کی بارش نہ تھی

☆☆☆☆☆

تھی حقیقت، خواب تک آئی نہ تھی
حجلۂ مہتاب تک آئی نہ تھی

رات بھر اشجار گریہ کار تھے
یہ خبر ارباب تک آئی نہ تھی

جشن شادی رات بھر جاری رہا
رشتگی ایجاب تک آئی نہ تھی

وہ ہوائے تند ہر جانب گئی
وادی زرتاب تک آئی نہ تھی

دوستی اس سے ہوئی تھی بالیقیں
جذبۂ بے تاب تک آئی نہ تھی

بات لاوے کی چلی تھی بزم میں
آگ کے سیلاب تک آئی نہ تھی

☆☆☆☆☆

سرِ دشت طلب کوئی نہیں ہے
مگر اس میں عجب کوئی نہیں ہے

تھی انجم کی میسر ہم نشینی
سیہ خانے میں اب کوئی نہیں ہے

تیری معیت میں بھی میں دل زدہ ہوں
تو کیا اس کا سبب کوئی نہیں ہے

کہاں سے یہ صدا آتی ہے پیہم
سرِ صحرائے شب کوئی نہیں ہے

یہ کس سے میں پگھلتا جا رہا ہوں
غم و رنج و تعب کوئی نہیں ہے

الٰہی خواب ہے یا جاگتا ہوں
وہی ہیں سب کے سب، کوئی نہیں ہے

☆☆☆☆☆

ہر رویئں سے پھوٹتی تابش تو تھی
اور کچھ ہو یا نہ ہو، خواہش تو تھی

لہلہاتی فصلیں خاکستر ہوئیں
ہم نے دیکھا چھو کے بھی بارش تو تھی

ایک اک کر کے ستارے بجھ گئے
شب کے صحراؤں کی زیبائش تو تھی

قاتلوں کو روکنا بس میں نہ تھا
کوہ و وادی خون کی یورش تو تھی

ہاں یہ سچ ہے سارے رشتے ڈھ گئے
زندہ رہنے کے لئے رنجش تو تھی

حرفوں سے ہو جلتے تاروں کی نمود
عاجزانہ ہی سہی، کاوش تو تھی

☆☆☆☆☆

خلوتِ شب میں تداخل کیوں ہو
چاندنی وجہِ تطاول کیوں ہو

تیرگی کھل کے امنڈ آتی ہے
پردے میں نورِ تجمل کیوں ہو

بلبلیں گاتی ہیں کس عجلت سے
پھول کھلنے میں تعطل کیوں ہو

شام سے پہلے ہی بجھ جاتا ہے
مہر سے میرا تقابل کیوں ہو

ڈوبتے چاند نے سرگوشی کی
اوج پر آ کے تنزل کیوں ہو

جب یہی اپنا مقدر ٹھہرا
تیغ اٹھانے میں تامل کیوں ہو

☆☆☆☆☆

ذکرِ غمِ گشتگاں بھی آئے گا
آگے شہرِ گماں بھی آئے گا

بحر و بر میں جہاں بھی جاؤ گے
ساتھ یہ آسماں بھی آئے گا

سامنے کھائی، پیچھے نیزہ بدست
لمحۂ امتحاں بھی آئے گا

آئے گا یوں تو رُت بدلنے پر
ہاں کبھی ناگہاں بھی آئے گا

ساتوں ساگر کو پار کر لو تو
قلزمِ بے کراں بھی آئے گا

آ کے بالائے کوہ بیٹھے ہو
سیلِ خوں تو یہاں بھی آئے گا

☆☆☆☆☆

شہرِ لب بستگاں بھی آئے گا
خود ہی تاب و تواں بھی آئے گا

آئے گی لب پہ وارداتِ شب
کیا کوئی ہم زباں بھی آئے گا؟

محبسِ جسم سے نکل جاؤں
لے کے تیر و کماں بھی آئے گا

شائقیں بھی ہیں، برف کی شب بھی
راویٔ داستاں بھی آئے گا؟

مجھ کو پہچاننا نہیں مشکل
ساتھ کوہِ رواں بھی آئے گا

اس جہنم سے پہلے گزرو تو
بابِ باغ جناں بھی آئے گا

☆☆☆☆☆

آئے گا غیب داں بھی آئے گا
لب پہ دردِ نہاں بھی آئے گا

جان اپنی ہتھیلی پر رکھیو
کوہِ آتش نشاں بھی آئے گا

فاصلہ روز و شب کا مٹ جائے
ایسا دورِ زماں بھی آئے گا

برف آتے ہی فرش راہ ہوئی
موسم گل فشاں بھی آئے گا

جس طرف بھی مرے قدم اُٹھیں
دیکھنا کارواں بھی آئے گا

آنے کو رُت گلوں کی آئے گی
طائرِ نغمہ خواں بھی آئے گا

☆☆☆☆☆

## غنی کاشمیری کی نذر

تب و تابش خیالوں میں نہیں ہے
وہ بات اب مہ جمالوں میں نہیں ہے

یہی شاید وہ دشت بے حسی ہے
ادائے رم غزالوں میں نہیں ہے

مری آنکھوں کو ہی کچھ ہو گیا ہے
کوئی سایہ اجالوں میں نہیں ہے

مہ و انجم خموش و منجمد ہیں
تو کیا جوشش سوالوں میں نہیں ہے

یہ آخر کس نوشتے پر نظر ہے
تذبذب جانے والوں میں نہیں ہے

جمال و نور و نکہت موج در موج
مثال اسکی مثالوں میں نہیں ہے

☆☆☆☆☆

## پسِ مرگ

میں صدق دلی سے
خلوت جاں میں
ہر پل
لفظوں کی توقیر کا
جویا تھا۔۔

یہ کرتب ہے
تحصیل شہرت وزر کی خاطر۔

مرقد پر
موسیقی کی محفل میں
اس کی غزلیں گائی جاتی ہیں
کب تک پنبہ گوش رہے۔

☆☆☆☆☆

## آواز

جھیل سے نکلی

رخسار و گیسو سے

موتی ڈھلک رہے تھے

کھنڈرات کو

کونسا رستہ جاتا ہے ؟

عنابی ہونٹ ہلے

انگڑائیاں لیتے دھان کے کھیتوں

کی جانب چل دی۔

میں اب بھی

سنسان کنارے پر

☆☆☆☆☆

حیران کھڑا ہوں۔۔۔
کتنے موسم بدلے
میں لب بستہ
آواز کسے دیتا ہوں
کنول ہنس پڑتے ہیں !

☆☆☆☆☆

## سرگزشت

کھیل کا وہ میدان
کہاں ہے ؟
چیختے چیختے
خاموش ہوا تھا

دونوں کالے تھے، کوہ نما
لمبے سلاخوں کو
آگ پہ رکھ کے
بھول گئے تھے

نم آلودہ تنہائی میں
چہرے، بازو اور سینے پر
سوختہ داغوں کو دیکھ رہا تھا

☆☆☆☆☆

باہر کی نکلی اینٹوں کا
خندۂ بے جا!

ونہ ون کے جوشیلے شور میں
میری کراہیں ڈوب چکی تھیں
فولادی ہاتھوں نے
بازو ٹانگیں جکڑ لئے تھے
تازہ خون کی
چھینٹیں بکھری تھیں
شکر اللہ کی جوشیلی آوازیں!

سینہ کوبی کی، دلدوز صدائیں۔

جلتی ریت پہ
کیا کیا
دست بریدہ

☆☆☆☆☆

سے لکھتے تھے
شیشے کی موٹی دیواروں کے اندر
خاموشی تھی،
بیڈ پر میں تنہا تھا،
ٹپ ٹپ قطرہ قطرہ
تازہ خون ٹپکتا تھا!

☆☆☆☆☆

## سفر

سنسان کنارے پر
پیراہن کو تہہ کر کے
دریا میں اتریں،

موج اندر موج
ساتوں چمکتے اجسام
آئینوں میں
آئینوں کے پار بھی
لہراتے تھے
اُن کے جانے کے بعد
رہا ہی کیا تھا؟

اک بل کھاتی

☆☆☆☆☆

روشن جوشیلی موج
مجھے بھی لے گئی
ایک بڑے پتھر نے روکا
کیوں
نابود کی جانب بہتے ہو؟

آج بھی میں
اُن کی ایک جھلک کی خاطر
بہتا ہوں
بود و نابود کی
تفریق مٹانے
کی کھوج میں،

☆☆☆☆☆

## تہہِ آب

برف کی یخ بستہ
تہہ کے نیچے
جھلمل کرتی جھیل
مدفون ہوئی تھی

مرد وزن سب
شوق سے پانی کے شیشے پر
چلتے آئے تھے،

نیچے
بے نور آنکھوں سے
کھوج رہا تھا
آخر آخر

☆☆☆☆☆

خونین سر کو اٹھا کے
دیکھا
بینائی لوٹ چکی تھی،

شیشے
پر کوئی نہیں تھا
وہ بھی نہیں تھی
میں تھر تھر کانپ رہا تھا
برف کے گالے
چہرے سے ٹکراتے تھے۔

☆☆☆☆☆

## واپسی

دیوارِ کہنہ سے
شانوں کو ٹکائے
دریدہ پیراہن پر پیراہن
کوہ نما۔
کائی زدہ پیروں کو
اشکوں سے دھوتا رہا
یاسمنوں میں
گھِر جاؤ گے
تیری خوشبو
بحر و بر میں
پھیلے گی
کون ہے جو خوشبو کا رستہ روکے

☆☆☆☆☆

تیز ہوا
اک مدت تک
بستی میں
نوحہ کناں تھی
وہ زندہ ہے
میں نے خود
دریا کے کنارے
گھر میں
دفتر میں
باغ میں
اسکو دیکھا ہے
خاموش
استادہ، گریزاں

یوسمنوں
کے مہکتے جھنڈ میں

☆☆☆☆☆

کوہ سبز پہ
مجھکو دفنانے
آئے گا۔

☆☆☆☆☆

## جلتا صحرا

شب کے سناٹے میں
چھت سے برف کے یخ بستہ تودوں
کے لڑھکنے کی لرزہ خیز آوازیں

ہاتھ میں
روضتہ الشہد الرزاں تھی
دونوں مہ پاروں کو
لعین نے
بالوں سے پکڑ کے جگایا
تعذیب کے آہنی ہاتھ اُٹھے

سب کے چہرے
خون سے لت پت تھے

☆☆☆☆☆

تیری پلکوں سے بھی
خون کے قطرے گرتے تھے
میں ساکت تھا
آنکھوں میں جلتے صحرا
پھیل رہے تھے

☆☆☆☆☆

## قیدی

سجادہ سے اٹھی
کالے عبایہ میں
آنکھیں اسرارسیہ تھیں
تازہ گلابوں کی خوشبو
نفس نفس سے پھوٹ رہی تھی

ریشمی پیراہن
سرہانے پڑا تھا
چاندنی جسم کو ڈھانپ رہی تھی

آئینوں میں
شعلہ شعلہ آنکھیں

☆☆☆☆☆

بھریں
افق تک پھیلیں

میں آنکھوں میں
گھرا ہوا تھا
کوئی راہ نجات
نہ تھی

☆☆☆☆☆

## سوال

دائیں بائیں
پھولوں کے قافلے
ہنستے ہنستے رو پڑتے تھے
میرے ہونٹوں پر بھی
تبسم کی ایک کرن پھوٹی تھی
پلکوں پر آنسو تھے
دیکھتے دیکھتے بادل گرجے
اولوں کی برسات ہوئی

یہ کیا
پارہ پارہ ہوتے ہوئے بھی
مسکاتے ہو؟
گلشن
قہقہہ زار ہوا

☆☆☆☆☆

## صدیق

[والد صاحب کی یاد میں]

تاریکی کو چیرنے والی
اذاں سے
سارا علاقہ جاگ اُٹھتا
شاخوں پر
رنگ برنگی پرندے
مدحت خواں ہوتے

وہ صدیق ہے
اسکی آواز میں
نورِ صدق وصفا ہے

گلی گلی میں

☆☆☆☆☆

یخ بستہ برفیلے ٹیلوں پر
چڑھتے اترتے
گرتے پڑتے
مسجد کی جانب لے چلتے

اس دن وہ تنہا ہی گیا

اس کی آواز
سننے کو ترس گئے ہیں

بام و در
برفیلی تاریکی میں
ڈوبے ہیں
رستے مسدود ہوئے ہیں

☆☆☆☆☆

## وداع

پھول بننے سے خزاں آسودہ
ہونے تک
کلی سفر میں ہے

فجر کی پہلی اذاں سے
تاریکی کی وادیوں میں
شگاف پڑیں گے

اس مجلس۔ سے
نکل کے
اجنبی آزاد درخشندہ
جزیرے

☆☆☆☆☆

کی سمت رواں ہونا ہے

کون تجھے روکے گا؟
آنسو بھری آنکھیں بھی نہیں!

☆☆☆☆☆

## گمشدہ

طائر ناطق
آ بیٹھا تھا دریچے پر

رات بھر
نیزہ بدست اشجار
پھرتے رہے

غیض میں آیا سمندر
ساحلی بستیوں کا
صفایا کر دے گا
کوہ سیہ سے ٹکرائے گا

کب اس کو دیکھوں
اپنی صورت میں ڈھل جاؤں!

☆☆☆☆☆

## تلاش

عمیق غار سے نکلا
سیہ قبا میں
وہ شہر ہوں کہ کہستاں
وہ وادیاں ہوں کہ صحرا
کہاں کہاں
نہ گیا

مجھے خبر بھی نہ تھی
خوں رنگ شگاف
تلوؤں میں تھے

وہ ایک آہنی دروازے
کے اِدھر تھا

☆☆☆☆☆

میں دیکھتا ہی رہا
کھلا تھا بابِ اجابت
کسی کے لب پہ نہ تھا
کوئی حرفِ دعا۔

☆☆☆☆☆

## آرزو

آنگن میں
ٹھنڈی چھاؤں میں
آغوش میں لے کر
لوری گاتی۔۔

یاد بہت آئی ہے
کنڈی کھولو
شاہ کو میں نے
درد یلے چناروں
کے سائے میں دیکھا ہے

کب سے موت کے بستر

☆☆☆☆☆

میں تھی
سکڑا پنجر
ساکت لب!

چوبی چھت
جھک آئی تھی
کب زنجیر در کھل جائے

☆☆☆☆☆

## زیارت

خوش آواز مغنی
جو شیلے سازندے
اب بھی تازہ دم تھے
گو وجہاں تازبہ رخسارِ رسول عربی
روٹ گُلو مشک زگفتارِ رسول عربی

گھر اک بعقۂ نور بنا تھا
خوشبو ہی خوشبو۔۔

صحرا پیچھے
سامنے نورانی مولد ہے

جالی پر
اشکوں سے پُر

☆☆☆☆☆

آنکھیں پیوست ہوئی تھیں

نور اور نکہت کی
لہریں امنڈ رہی تھیں!
افلاک کو
چھوتی تھیں!
جانے کن آنکھوں سے
دیکھ رہا ہوں۔

☆☆☆☆☆

## گھٹن

کہیں کہیں
ٹوٹی دیواریں
سوختہ روزن
پیرِ فرتوت نے
اپنا لرزتا ہاتھ
مرے کاندھے پر رکھا

اجڑ چکی ہے بستی بستی
لاشوں کے انبار پڑے ہیں
کوئی نوحہ کناں بھی نہیں ہے
کوہستاں، چشمے
سرو و صنوبر

☆☆☆☆☆

جگہیں بدل کر
سب ہیں، لیکن وہ؟
کالے دھویں کی کسیلی بو
میرا تعاقب کرتی ہے
سانس کہاں کھل کر لے لوں؟

☆☆☆☆☆

## جھیل

آئینہ بینی کی عادت ہی
بھول چکے تھے

میں نے بھی
جھیل کے آئینے میں
اپنا چہرا دیکھا تھا
قوسوں، خموں اور ٹکڑوں
میں بٹا ہوا تھا

اوروں سے بیگانے تو تھے ہی
خود سے بھی بیگانے ہوئے تھے

نوکیلی جھاڑیوں سے

☆☆☆☆☆

دامن الجھائے
سینے کے بل
جسم کے بوجھ کو ڈھوتے تھے
پانی جھلمل جھلمل کرتا تھا!

☆☆☆☆☆

## سناٹا

ڈھلوانوں پر کالے شجر
بے حس وحرکت
استادہ تھے
نیچے
آبادی گورستاں بنی تھی

سناٹے کی تاریکی ہے
کوئی تارا ہی گر جائے
دور سے آواز سگاں ہی آئے
کوئی چیخ ہی کانوں سے ٹکرائے
کوئی بھولا بھٹکا طائر ہی پر مارے
میرے سینے کے اندر
یہ کیسا سناٹا؟
شورِ محشر ہے!

☆☆☆☆☆

## رجوع

تم منبر پر
صبر و تحمل
کا درس بہت دیتے ہو
میں خون ناحق کو
کیسے جھٹلاؤں؟
کیسے پی لوں؟
میں نے
خونبار نگاہیں
اٹھائیں
سامنے اک خنّاس
کھڑا تھا۔
بنجر آنکھیں

☆☆☆☆☆

## صحرا صحرا اچھل رہی تھیں

مولا!
قدموں کے نیچے کھائی ہے
میرے لرزتے ہاتھ کو تھام!

☆☆☆☆☆

## اسیری

نا دیدہ ہوا کے
گبند بے در میں
رستہ بناتے بناتے
سانس اکھڑ جاتی ہے
چلئے جہاں سے بھی
آجاتے ہیں وہیں
کس نے ہمیں
محصور کیا ہے؟
اسکی صورت تو دیکھیں
پوچھیں
جس سے ہم زندہ ہیں
وہی ہماری موت بھی ہے

☆☆☆☆☆

سانسیں
لینے نہ لینے
کی آزادی کیسی؟
واہمہ کیا ہے؟

☆☆☆☆☆

## ملاقات

چہرے پر
شکنوں کی کھائیاں
آنکھیں
کالے گڑھوں کی تہہ میں
ڈوبی ہوئی ہیں
پلکوں پر برف
جمی ہے

آئینے ہوں
یا پتھر
بے حرف وصدا ہیں
نوکیلی انگلیوں کے

☆☆☆☆☆

## تشنج کو دیکھ رہا ہوں

اس بے آب وگیہ
میداں میں
لوگوں کا تانتا بندھا ہوا ہے
کس سے ملنے کو ترس گئے ہیں
میں
کس سے مل کے آیا ہوں؟

☆☆☆☆☆

## شکرانا

بالوں میں
پہلی بار
سپیدی کے دو تار اُگے تھے
سکتے میں آئی

بستر سے چمٹے
میرے سوکھے جسم کو
کرب نزع میں دیکھ کے
کیا کرتی ؟

فضل ربی ہے
وہ آنکھیں موند چکی ہے

☆☆☆☆☆

## آئینے

نوکِ انگشت پہ
اگتے ناخن

سر پر
بالوں کا جنگل
دانتوں کے گھیرے میں
پارۂ گوشت
تکلم

موت کا کھٹکا
کتنے عبرت خیز ہیں؟

کب تک آئینوں سے
منہ موڑو گے؟

☆☆☆☆☆

## سرحد

اشجار تو
آب و گِل کے سارے بندھن
توڑ کے نکلے
ہاہا کار مچی ہے
بچے بوڑھے روندے جاتے ہیں
مرد و زن
گھر تیاگ کے
بھاگ رہے ہیں

آناً فاناً
شاہی ایوان، معبد، تعذیبی مراکز
ملبے کے ڈھیر ہوئے
رکنے کا نام نہیں لیتے ہیں
سرحد کی آہنی دیواریں
کانپ رہی ہیں۔

☆☆☆☆☆

## مکتی

پھولوں کی رنگت
دوشیزاؤں کی نکہتِ گیسو
ممتا کے پیار کو
روند کے آگے بڑھتا ہے

اوراق الٹتے جاتے ہیں
کھڑکی سے دیکھو
روز و شب ہوں
ماہ و سال ہوں
برف کا قہر ہو
موسم گل کی
چہکتی دھوپ ہو۔

☆☆☆☆☆

پلک جھپکنے میں

نابود ہوئے۔

ہست ہے کیا؟

برق تماشا

مکتی کب ہو؟

☆☆☆☆☆

## برف

دور تلک
برفیلے سناٹے میں
کوئی فاتح تھا نہ کوئی
مفتوح ہی تھا
برف کی کھائی
اب بھی منہ کھولے
قہقہہ زن تھی

شاید کتوں
کے نوحے تھے
سامنے یخ بستہ دیوار
کھڑی تھی
سب کو ہی رستے

☆☆☆☆☆

معدوم ہوئے تھے

اوپر
ساکت بادل کی
سفاک مسافت
پھیل رہی تھی

☆☆☆☆☆

## موسم

مجوبہ ہو کے بھی وہ
گھر سے نکلی تھی
وہ بھی اک اک کر کے نکلے
کالی ہوا کے
غیض کی زد میں تھے

میں سمت وسفر
سے بیگانہ۔
کب سے یہ یخ بستہ کھڑ کی
بند رہی۔۔
جب بر فیلی تہہ پگھلی
بحری پرندوں کی چہکار
سنائی دی

☆☆☆☆☆

تنہا تنہا
نئے مزاروں میں سرگرداں

صبح کے اخباروں کی
سرخی چیخ رہی تھی
سب کو روتا بلکتا چھوڑ کے
کھوئے ہوؤں کی کھوج میں نکلا ہے

☆☆☆☆☆

## ارتباط

دھوپ اور بارش
کا سنجوگ ہوا تھا
کوہ سبز پہ
رنگ کھلے تھے
بھیگے پتوں کے
ہیرے بکھرے تھے

آنکھ کھلی بھی نہ تھی
کالی برف کا طوفاں
گرج رہا تھا
آنکھ کھلی تو
جھیل کی لہریں
اک دوسرے میں

☆☆☆☆☆

ضم ہو کے
رخشندہ کناروں کی
آغوش میں آسودہ ہیں
شاخیں شاخوں سے
لپٹ گئی ہیں
دور فلک دھرتی پر اترا ہے

ہر بن مو
ربط جاں وتن کا
حرف دعا ہے!

☆☆☆☆☆

## مالا

ساگر سے ابھری
مالا موتیوں کی
ہو گئے موجوں کے
آئینے روشن

سارے قبیلے
امنڈ کر آئے
برافروختہ
کلہاڑیاں لے کر

ساحر ہے
دھول آنکھوں میں
جھونک رہا ہے
کہاں یہ مالا

☆☆☆☆☆

اور یہ خرقہ پوش کہاں

جان سے مارو

کہتے کہتے

سب کی آنکھیں چندھیائیں

کلہاڑیاں رکھ کے

اسکو آنکھوں پہ بٹھانے

آگے آئے

کوہ نما موجیں گرج رہی تھیں

☆☆☆☆☆

## عرفان

کالے برقعے میں
سوختہ پتھر پر بیٹھی تھی
سورج
بادل کے ساکت پتھریلے سمندر میں
گم تھا

کرب جدائی سہہ نہیں سکتی

لانبی لانبی پلکوں پر
تارے مسکائے
ٹوٹے ہوئے دیوار و در
۔۔ چمکے
شاعر کیسے ہوتے ہیں؟

☆☆☆☆☆

تم کو پا کے
میں خود اپنی نظروں میں
اسرار بنی ہوں
تم نے شاید
اپنے آپ کو
دیکھا ہی نہیں ہے
تم کو دیکھ کے
خود کو دیکھ رہی ہوں۔

☆☆☆☆☆

## کرن
(اریج کے لئے)

اک شعاع تازہ
اتری
شبنمیں نرگس
کی آغوش حسیں میں

میری آنکھوں میں
نہ جانے دیکھ کے کیا
نوشگفتہ برگ لب
دھیرے سے مسکائے
یہ تیری اولیں مسکان ہے

☆☆☆☆☆

سرزمین نور کی
خوشبو
زمین ارجمند
کے یاسمن زاروں کی
نکہت سے ملی
کوہ ووادی
انفس و آفاق
تاباں خوشبوؤں میں
ڈھل گئے

دیکھ لے گی
ظلمت آسا استخوانی ہاتھوں سے
سورج کو بجھانے آتے ہیں

☆☆☆☆☆

ڈرنا نہیں !
کوئی سورج کو بجھا سکتا نہیں !!
تپتے صحراؤں میں
دعائیں
سائباں بن جائیں گی !
ہے تیری آنکھوں کی گہرائی میں
نورِ لم یزل کی اک کرن
ہو جائے گی
انوار ساماں
دیکھنا !

## بوعہ شعری مجموعے

### اردو

عروس تمنا

نایافت

لاحرف

شاخ زعفران

وادیٔ امکاں

خواب رواں

شہر گماں

### کشمیری

نارس اتھہ واس

یتھ میانِہ جویہ

آواز وائژی نو



Printed at Jk Offset Printers,315,Jama masjid Delhi-6
Phones:23241868, 23279852